ابو عمار زاہد الراشدی

خواتین کی عالمی کانفرنسوں کے اصل مقاصد

بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس کا آغاز ہو چکا ہے جس میں خواتین کے حقوق اور مختلف معاشروں میں انہیں در پیش مسائل و مشکلات پر غور ہو گا اور ان کے حل کے لیے تجاویز زیر بحث آئیں گی۔ گزشتہ سال قاہرہ میں اس نوعیت کی کانفرنس منعقد ہو چکی ہے جس کی منظور کردہ سفارشات اور تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے بیجنگ کی خواتین کانفرنس کے بنیادی اہداف و مقاصد کو سمجھنا مشکل نہیں ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ان کانفرنسوں کا اصل مقصد تیسری دنیا اور عالم اسلام کی خواتین کو معاشرتی لحاظ سے اس مقام اور حیثیت پر لانا ہے جو مغربی معاشرہ میں عورت کو حاصل ہے اور جسے خواتین کے حقوق کے حوالے سے آئیڈیل مقام قرار دیا جا رہا ہے۔ جہاں تک خواتین کے جائز حقوق اور ان کے صحیح اور شایان شان معاشرتی مقام و مرتبہ کا تعلق ہے تو یہ بات شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ دنیا میں اس وقت کسی جگہ بھی مجموعی طور پر خواتین کو معاشرہ میں وہ مقام و حیثیت حاصل نہیں ہے جو حوا کی ان بیٹیوں کا جائز اور فطری حق ہے اور ہمارے نزدیک اس معاملہ میں مغرب کے ترقی یافتہ ممالک اور تیسری دنیا اور عالم اسلام کے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک سب ہی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یکساں طور پر قصور وار ہیں' اس لیے اگر خواتین کی ان عالمی کانفرنسوں کا مقصد صرف یہ ہو کہ خواتین کے ساتھ ہونے والی معاشرتی ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کی جائے اور کسی سوسائٹی کا لحاظ کیے بغیر عورت کے جائز اور فطری معاشرتی مقام و مرتبہ کی بحالی کے لیے جدوجہد کی جائے تو یہ انتہائی خوش آئند بات ہو گی اور اس صورت میں ملت اسلامیہ کے اہل علم و دانش کی بھی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس جدوجہد میں شریک ہوں اور اس کے حق میں عالم اسلام کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کریں لیکن قاہرہ میں کانفرنس کی سفارشات اور تجاویز کو سامنے رکھا جائے تو صورت حال اس سے یکسر مختلف نظر آتی ہے اور مسئلہ خواتین کے جائز حقوق و مقام کا تعین اور اس کے لیے جدوجہد کا نہیں رہ جاتا بلکہ خواتین کے حوالے سے ویسٹرن سولائزیشن کو آئیڈیل اور معیار قرار دینے اور دنیا بھر کے دیگر انسانی معاشروں کو اس کی پیروی پر مجبور کرنے کا بن جاتا ہے اور یہی ...

جہاں تیسری دنیا اور عالم اسلام کے دانش وروں کا راستہ مغربی دانش وروں اور میڈیا کاروں سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ ان کانفرنسوں کو خواتین کے حقوق کی بحالی کی بجائے ویسٹرن سولائزیشن کی بالادستی قائم کرنے کی جدوجہد کا ایک حصہ قرار دے کر ان سے اختلاف کرتے ہیں۔

عالم اسلام کی بد قسمتی یہ ہے کہ ایک آدھ کی جزوی استثناء کے ساتھ اس کے تمام ممالک پر ابھی تک دور غلامی کے اثرات کا غلبہ ہے اور عالمی استعمار کی مداخلت اور سازش کی وجہ سے مسلم ممالک کا معاشرتی نظام اسلامی اصولوں پر استوار نہیں ہو سکا چنانچہ دنیا میں کہیں بھی اسلامی معاشرہ کا وہ مثالی ڈھانچہ موجود نہیں ہے جسے بطور نمونہ پیش کیا جا سکے' اس لیے مغربی میڈیا کار اس میں آسانی محسوس کر رہے ہیں کہ مسلم ممالک کے موجودہ معاشرتی ڈھانچوں کو اسلام کا نمائندہ قرار دے کر ان تمام نا انصافیوں اور حق تلفیوں کو اسلام کے کھاتے میں ڈال دیں جو ان مسلم ممالک میں سیاسی' معاشرتی اور معاشی طور پر روا رکھی جا رہی ہیں' ورنہ جہاں تک حقوق کا تعلق ہے' معاشرہ کے کسی طبقہ کو سامنے رکھ لیں' اس کے حقوق و ذمہ داریوں میں اسلام نے جو توازن قائم کیا ہے' دنیا کا کوئی دوسرا نظام اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور آج مغرب اپنی آزادی کی بے اعتدالیوں کے فطری نتائج دیکھنے کے بعد اسی "توازن" کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دے رہا ہے۔

عورت کو ہی لے لیجئے۔ اسلام نے اسے معاشرہ میں بیٹی' بہن' بیوی اور ماں کے طور پر شفقت' محبت اور احترام کا مقام دیا مگر ان چار جائز رشتوں سے ہٹ کر وہ "پانچواں رشتہ" تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جو آج ویسٹرن سولائزیشن کا طرۂ امتیاز ہے اور جسے جائز تسلیم کرانے اور قانونی تحفظ دلانے کے لیے عالمی سطح پر خواتین کی کانفرنسوں کا اہتمام ضروری سمجھا جا رہا ہے لیکن مغرب خود اس بارے میں کنفیوژن کا شکار ہے۔ ایک طرف مسٹر گورباچوف کا کہنا ہے کہ ہم نے عورت کو گھر سے نکال کر دفتر اور فیکٹریاں تو آباد کر لیں لیکن "فیملی سسٹم" تباہ ہو گیا ہے اور اب عورت کو واپس گھر لے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ امریکہ کی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن نے اپنے دورہ اسلام آباد میں کھلم کھلا کہا کہ امریکی معاشرہ کا سب سے بڑا مسئلہ لڑکی کا کنوارے پن میں ماں بن جانا ہے اور برطانوی وزیر اعظم جان میجر "بیک ٹو بیسز" (Back to bases) کا نعرہ لگا کر ان خواتین کی حوصلہ افزائی کے لیے پالیسیاں وضع کر رہے ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال کے لیے گھروں میں رہنے کو ترجیح

دیتی ہیں اور اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مغربی دانش ور ان "خواتین کانفرنسوں" کے ذریعے تیسری دنیا اور عالم اسلام کو اس دلدل میں آگے بڑھنے کی دعوت بھی دے رہے ہیں جس سے نکلنا خود ان کے لیے مشکل تر ہو گیا ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ اس نے عورت کو ان زائد ذمہ داریوں کا سزاوار نہیں ٹھہرایا جو اس کے فطری فرائض سے متصادم ہیں اور بچے کی پیدائش و پرورش اور خانہ داری کے فرائض کے بعد معاشی کفالت کا بوجھ اس پر نہیں ڈالا مگر مغرب نے معاشی کفالت کے لیے ملازمت اور محنت مزدوری کو ڈیوٹی اور فرائض کی فہرست سے نکال کر حقوق کی فہرست میں شامل کر دیا اور معاشی مساوات کے پر فریب نعرے کے ساتھ عورت کو دوہری ذمہ داریوں کے شکنجے میں کس دیا جبکہ وہ "عقل کی پوری" خوش ہے کہ اس نے مرد کے برابر معاشرتی حقوق حاصل کر لیے ہیں۔

مغرب نے رشتوں کا تقدس ختم کر کے آزادی اور مساوات کے نام پر جس طرز معاشرت کی داغ بیل ڈالی تھی اور مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو فروغ دیا تھا' یہ اس کے منطقی اور فطری نتائج ہیں کہ کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں کے تناسب میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے' فیملی سسٹم تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اور ماں باپ کی شفقت سے محروم بچوں میں نفسیاتی امراض روز مرہ بڑھ رہے ہیں بلکہ اس لحاظ سے مغرب کی عورت انسانی معاشرہ کی مظلوم ترین عورت ہے کہ بچپن سے جوانی تک جب اسے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے' وہ جنسی ہوسناکیوں کی شکار گاہ بنی رہتی ہے' اور جوانی ڈھل جانے کے بعد جب خدمت اور احترام اس کی ضرورت بن جاتی ہے' اسے "اولڈ پیپلز ہوم" میں دھکیل دیا جاتا ہے جہاں وہ سال کے ان مخصوص دنوں کے انتظار میں زندگی گزار دیتی ہے جب اس کے جوان بیٹے اور بیٹیاں کاغذی پھولوں کا گلدستہ لیے اسے دیکھنے آتے ہیں۔

گزشتہ سال قاہرہ میں ہونے والی خواتین کی عالمی کانفرنس میں جو سفارشات کی گئیں' ان میں اسقاط حمل کو قانونی تحفظ دینے' کنڈوم کی کھلم کھلا اور عام فراہمی کو یقینی بنانے' بن بیاہی ماں کو سماجی تحفظ فراہم کرنے اور ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر تسلیم کرنے کی سفارشات شامل ہیں حالانکہ یہی وہ اسباب ہیں جنہوں نے مغربی معاشرہ کو رشتوں کے تقدس اور خاندانی زندگی سے محروم کیا ہے حتیٰ کہ گورباچوف' ہیلری کلنٹن اور جان میجر جیسے لیڈر بھی اس تباہ کاری پر چیخ اٹھے ہیں مگر عالم اسلام اور تیسری دنیا کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ان

اسباب کو اختیار کریں اور جنسی انارکی کی دلدل میں پھنس کر "رشتوں کے تقدس" اور "خاندانی زندگی" کو مغرب کی خواہشات پر قربان کر دیں' اس لیے بیجنگ کی "عالمی خواتین کانفرنس" کے موقع پر میں اقوام متحدہ کے پالیسی سازوں' خواتین کے حقوق کی جنگ لڑنے والے اداروں اور دانشوروں سے یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ خواتین کے حوالے سے اپنی مہم کے اہداف اور ترجیحات پر نظر ثانی کریں اور اسے "ویسٹرن سولائزیشن" کی بالادستی کی جنگ بنانے کی بجائے انسانی معاشرہ اور عالمی برادری میں خواتین کے جائز اور فطری مقام و حیثیت کے تعین اور اس کی بحالی کی جدوجہد کا درجہ دیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس مقدس جدوجہد میں مسلم علماء اور دانش ور نہ صرف ان کے شانہ بشانہ شریک ہوں گے بلکہ اسے اپنا "مذہبی فریضہ" سمجھیں گے۔ لیکن اگر "بیجنگ کانفرنس" کی سفارشات و تجاویز کا تانا بانا بھی "قاہرہ کانفرنس" کی سفارشات ہی سے بنا گیا تو ہمارے نزدیک یہ ساری تگ و دو تیسری دنیا اور عالم اسلام کو ان کے کلچر سے محروم کرنے بالخصوص مسلم دنیا کو خاندانی زندگی کے بارے میں ان کے بنیادی مذہبی احکام سے منحرف کرنے کی عالمی مہم کا حصہ متصور ہو گی اور عالم اسلام کے دینی ادارے اس قسم کی سفارشات و تجاویز کو مسلم معاشرہ میں نفوذ کا راستہ دینے کے لیے کسی صورت بھی تیار نہیں ہوں گے۔

(مطبوعہ جنگ لندن ۸ ستمبر ۹۵ء)

مذہب کی تعلیم کے تحت معاشرت کا یہ اصول مقرر کیا گیا تھا کہ مرد کمائے اور عورت گھر کی دیکھ بھال کرے۔ اس طرح تقسیم کار کے اصول پر دونوں زندگی کا کاروبار چلائیں۔ یہ ایک انتظامی بندوبست تھا نہ کہ کسی کو بڑا درجہ اور کسی چھوٹا درجہ دینا۔ مگر جدید دور میں "آزادی نسواں" کی تحریک اٹھی جس نے اس طریقہ کو عورت کی تصغیر کے ہم معنی قرار دیا اور یہ نعرہ دیا کہ دونوں صنفوں کو کسی تقسیم یا حد بندی کے بغیر ہر کام کرنا چاہیے۔ یہ نظریہ اتنا پھیلا کہ عورتوں کی ایک پوری نسل گھر سے باہر نکل پڑی۔ نام نہاد مساوات کے اس تجربہ پر اب تقریباً" سو سال بیت چکا ہے۔ خاص طور پر مغربی دنیا میں اس کا تجربہ آخری ممکن حد تک کیا گیا ہے۔ مگر ان تجربات نے اس کی افادیت کے بجائے صرف اس کا نقصان ثابت کیا ہے۔ موجودہ مغربی معاشرہ میں مختلف انداز سے مسلسل اس کی مثالیں سامنے آ رہی ہیں۔ (مولانا وحید الدین خان)